پاکستانی اُردو افسانے کی تنقیدی روایت

یاسمین طاہر سردار

Yasmeen Tahir Sardar

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Faculty Member, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Other genres, I feel the need to actively criticize Urdu fiction like view of this kind have been admitted to regular critic hates Abdul Qadir Sarwari fiction. In 1927, his book "Dunya-e -Afsana" began the journey of criticism from the world of fiction in modern books that can be expected in the long run still continues.

دیگر اصنافِ سخن کی طرح افسانہ نے بھی اپنے بہتر قد و قامت اور اعصاب کی مضبوطی کے لیے خود کو تنقید اور نقادوں کے سپرد کیا کیونکہ دنیا کی ہر ادبی تحریک اور رُجحان کے پیچھے تنقید فعال کردار ادا کرتی ہے۔ مختلف فکری، سماجی، لسانی، تہذیبی، ثقافتی، علمی اور نفسیاتی گتھیوں مسئلوں اور الجھنوں کو نقد و نظر کے توسط سے ہی سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کہ ہر نئی تحریک، رجحان .....جدت، صداقت اور حقیقت کے ساتھ بہت سی گمراہیوں، غلط فہمیوں کو بھی فروغ دیتی ہیں اور پھر ایسی بے ترتیب صورتِ حال میں صحت مند تنقید ہی سامنے آ کر اس الجھاؤ اور غلط فہمیوں کی شدت کو افہام و تفہیم، ضبط و تحمل کے ساتھ اس کی تشریح و توضیح میں اپنا بامعنی کردار ادا کرتی ہے۔

مندرجہ بالا ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر اردو افسانے کے ارتقا پر نظر ڈالیں تو ہمیں دونوں طرح کے رویے نظر آتے ہیں۔ بعض ناقدین انتہا پسندی کا شکار ہوئے تو بعض نے دوست نوازی کا بھی حق ادا کیا۔ تھوڑی بہت ناانصافی بھی دیکھنے میں آئی اور بعض اہم معاملات اور مسائل کو سرسری نظر سے دیکھا۔ بعض سود و زیاں کے حصار میں گھر گئے اور بعض چونکا کے، بے اساس فتوے صادر کر کے شہرت

حاصل کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں مگر پاکستانی اردو افسانے کی تنقید کا مجموعی رویہ اور کارکردگی مایوس کن نہیں۔ کیوں کہ بے راہ روی، افراط و تفریط اور مبالغہ آرائی کے ساتھ ساتھ احتساب کا عمل بھی جاری رہا اور لغزشوں کو گرفت میں لینے کی بھی کوشش ہوتی رہی۔

افسانے کے ناقدین میں عبدالقادر سروری کو پہلا باقاعدہ نقاد تسلیم کیا گیا ہے۔ افسانے پر اُن کی دو تنقیدی کتب ''دنیائے افسانہ'' ۱۹۲۷ء اور ''کردار اور افسانہ'' ۱۹۲۹ء میں منظرِ عام پر آئیں موخرالذکر کتاب کو عبدالقادر سروری نے اوّل الذکر کا ہی حصہ قرار دیا ہے۔ ''دنیائے افسانہ'' میں افسانے کے ارتقا، اقسامِ افسانہ، مختصر قصّوں کے فن، منظوم قصّے اور نثری افسانے کے علاوہ ناول کی پیدائش، موضوع، عناصر، منازل، خصوصیات، ناول نگار کے فرائض اور اردو ناول پر سیر حاصل بحث کی گئی ہیں۔

دوسری کتاب ''کردار اور افسانہ'' میں کردار نگاری، مثنویوں، مرثیوں کے کرداروں کے ساتھ ناول اور داستان کے اہم کرداروں پر تجزیاتی مضامین ملتے ہیں۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۷۰ء تک شائع ہونے والی مندرجہ ذیل پانچ اہم تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ 'افسانہ اور اس کی غایت' مجنوں گورکھ پوری، اس کتاب میں افسانے کے پلاٹ، افسانے کی اقسام، کردار اور کرداروں کی اقسام و شرائط اور اُن کا باطنی مطالعہ شامل ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ شاہراہ دہلی سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ 'فنِ افسانہ نگاری' سید وقار عظیم، اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن بعنوان ''افسانہ نگاری'' ۱۹۴۵ء، دوسرا ایڈیشن بعنوان ''فنِ افسانہ نگاری'' ۱۹۴۹ء جبکہ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں افسانے کا موضوع، پلاٹ، سرخی، فضابندی، تمہید، خاتمہ، سیرت کشی، رومان، حقیقت، مقامی رنگ، اسالیب، نقطہ نظر، منظر نگاری، مختلف تکنیکیں اور دیگر خصوصیات شامل ہیں۔

۳۔ 'داستان سے افسانے تک' سید وقار عظیم

۴۔ 'اُصولِ افسانہ نگاری' اویس احمد ادیب، یہ کتاب دس ابواب بعنوان افسانہ کی تعریف، سُرخی، ابتدا، منتہا، انکشاف، خاتمہ، موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ، مقامی رنگ، اختصار، اتحادِ زمان و مکاں، اتحادِ عمل، اور افسانے کے مقاصد پر بحث کی گئی ہے۔

۵۔ 'معیار' ممتاز شیریں، پہلی خاتون نقاد مانی جاتی ہیں۔ اُن کی یہ کتاب سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس کے مضامین نے اردو افسانے کے نقادین کو تنقید کی نئی راہوں سے آشنائی دی۔ یہ کتاب تین بڑے موضوعات کو سمیٹے ہوئے ہے ''تکنیک کے تنوع'' ''اردو افسانے پر مغربی افسانے کے اثرات'' اور ''اردو افسانے کے رُجحانات''۔ ان کتب کا براہ راست تعلق اردو افسانے کے نظری مباحث کے ساتھ رہا ہے۔

مرزا حامد بیگ جدید طرزِ احساس کے حامل افسانہ نگار ہیں اور نقاد بھی۔انھوں نے فکشن پر خصوصی توجہ دی اور اس موضوع پر مضامین بھی لکھتے رہے۔اُن کی دو کتابیں ''اُردو افسانے کی روایت (۱۹۰۳ء تا ۱۹۹۰)'' اور ''افسانے کا منظر نامہ'' اس موضوع پر یہ تصانیف اُن کے گہرے مطالعے اور فکشن کے شعبے سے اُن کی غیر معمولی وابستگی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ان کُتب میں مرزا حامد بیگ نے اپنے انتقادی لفظیات و اصطلاحات کی اختراع کی بھی شعوری کوشش کی ہے۔انھوں نے افسانے کا منظر نامہ'' میں اردو کی کہانیوں کی عہد بہ عہد تاریخ کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے،اُن کے یہاں کہیں کہیں تجزیاتی،فکری اور تاریخی تضادات کا منظر نامہ بھی پایا جاتا ہے اور اس میں ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر لکھے جانے والے افسانوں پر سخت گیری کے ساتھ تنقید بھی کی گئی ہے۔تاہم تاریخ کیے بنا بھی نہ رہ سکے ۔انھوں نے افسانے میں جنس کے حوالے سے بھی بحث کی ہے اور اسالیب و موضوعات کا بھی تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔مرزا حامد بیگ نے اپنے ناقدانہ تجزیے کے دوران نئے افسانے کی جہاں حمایت کی ہے وہاں اُن کی کوتاہیوں کو بھی اپنی گرفت میں لیا ہے۔افسانے کی حمایت میں مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> ''آج کے عہد کا افسانہ ملٹی ڈائی مینشنل افسانہ ہے۔اس کا مقابلہ پرانی یک رُخی کہانی سے کرنا کسی طور پر مناسب نہیں۔ماضی اور حال کی اپنی اپنی سچائیاں ہیں۔گڑبڑ وہاں پیدا ہوتی ہے جب ہم کسی تخلیق کو اس کے تناظر میں رکھ کر نہیں دیکھتے۔''(۱)

مرزا حامد بیگ نے نیا افسانہ لکھنے والوں کی غلطیوں کی بھی نشاندہی کی ہے جنھوں نے تجربے،جدت اور نئے اسلوب کا نعرہ لگا کر مفہوم سے عاری استعاروں،ذاتی علامتوں،ژولیدہ تشبیہوں، بے معنی تمثیلوں،نا قابلِ حل داخلی معموں،خشک اور بے معنی فلسفہ طرازیوں اور لایعنی رویوں کی بھول بھلیوں کا بہت شد و مد اور جارحانہ انداز کے ساتھ پیش کیا۔وہ ایک عجیب افراتفری توڑ پھوڑ اور وحشت ناک دور تھا اور فیشن پرستی کے طور پر کہانیاں لکھی جا رہی تھیں جس کا ناتا اصلی تخلیقی جوہر سے دور کا بھی نہ تھا۔'افسانے کا منظر نامہ' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اس جدیدیت کی عطا بے مہار تحریریں ہم عصر تناظر کو واضح کرنے میں ناکام ہیں،حالانکہ انھیں قاری کے لیے صورتِ حال کو سمجھنے میں مددگار ہونا چاہیے تھا۔''(۲)

ان سب کے نتیجے میں لوگوں نے نئے افسانے کو پڑھنا چھوڑ دیا اور ڈائجسٹ کی کہانیاں پڑھی جانے لگیں۔اس میں کوئی شک نہیں بحران کے اس دور میں ڈائجسٹوں نے بہت ساری اچھی کہانیاں بھی پڑھنے کو دیں۔سید قاسم محمود،حمید کاشمیری،شکیل عادل زادہ،رفیع احمد فدائی،انوار علیگی،محی الدین نواب،محمود احمد مودی،ایم اے راحت،انور احسن صدیقی،احمد صغیر صدیقی،ایم الیاس،انور فرہاد،صفیہ ملک جیسے بہت سے کہانی لکھنے والوں نے ڈائجسٹ میں اچھی کہانیاں پیش کر کے اردو فکشن

میں پیدا ہونے والی بے زاری کو کم کرنے کی کوشش کی۔ایسی صورتِ حال میں اُردو کے سنجیدہ ناقدین آگے بڑھے اور اس طوفانی رویے کا سنجیدگی سے سامنا کیا اور نئے کہانی کاروں کی تخلیقی، فکری بے جہتی اور علامت برائے علامت کے میلانات پر نکتہ چینی کی۔غیر تخلیقی بے جوڑ، معلق، ریاضیاتی طرز کی بے راہ روی، سماج اور معاشرے سے روگردانی اور ذات کے خول میں چھپ کر داخلیت کا راگ الاپنے پر نا خوشگواری کا اظہار کیا۔یاسیت، شکست خوردگی، نرگسیت کے رُجحان کو مریضانہ حد تک تخلیقی سطح پیش کرنے پر احتجاج کیا۔اس کے علاوہ اُن کی توجہ اس طرف بھی دلائی گئی کہ ذات کے علاوہ کائنات بھی اہم ہے اور اس میں بسنے والوں کے مسائل بھی تخلیقیت کے وصف و کشش کے ساتھ پیش کیے جائیں۔فکشن کے نقادوں نے افسانہ نگاروں کے بے جا لسانی تجربوں اور مشاہدوں کو بھی ہدفِ تنقید بنایا۔نئے افسانہ نگاروں کو اس بات کا بھی احساس دلایا گیا کہ اُن کی کہانیاں دیگر کوتاہیوں کے علاوہ ابلاغ کی ناتوانی کا بھی شکار ہیں۔ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اپنی کتاب فکشن کی تنقید میں جدید افسانے سے بحث کرتے ہوئے ادبی رسالہ ''سوغات'' کے افسانہ نمبر سے ایک جدید افسانہ نگار کے مضمون سے اقتباس نقل کرتے ہیں:

> ''ادھر اردو افسانے کا قاری الگ بوکھلایا ہوا نظر آتا ہے۔ہم جب اس سے اُس کی بوکھلاہٹ کا سبب معلوم کرتے ہیں تو وہ ہم سے سوال کرتا ہے۔صاحبو! نیا افسانہ کیا ہے؟ ہم نے جو افسانے پڑھے تھے، اُن میں کہانی نام کی ایک بے حد اہم چیز ہوا کرتی تھی۔لیکن اب جو افسانے رہے ہیں ان میں اصل جوہر (کہانی) کے علاوہ سب کچھ ہے..... اس غریب نے اپنا مدعا تجزیہ نگار قسم قسم کے ناقد سے بیان کیا تو وہ فرمانے لگے:''نیا افسانہ آزاد تلازمۂ خیال، شعور کی رو اور خیال کی اکائی سے عبارت ہے''۔بے چارہ قاری افسانے کو چھوڑ، خیال کی اکائی، شعور کی رو اور آزاد تلازمہ خیال کی تفہیم میں الجھ کر رہ گیا اور جب اس کے پلے کچھ نہ پڑا تو اس نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔''ہمیں تو افسانے میں وہ چیز چاہیے جو ہمارے اندر کہیں اپنائیت کا احساس جگائے۔''(۳)

شروع شروع میں ناقدین کی تنقید کا ردِعمل منفی رہا۔انھوں نے نئی کہانیوں پر تنقید لکھنے والوں کو اوّل تو نقاد ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔دوئم انھیں روایتی اور دقیانوسی کہا جانے لگا۔اُن کے افسانے جن کی سمجھ میں نہ آئے وہ کم علم اور کم فہم قرار پائے۔نئے افسانہ نویس صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی لکھ رہے تھے اُن کی صرف تعریف کی جائے اور اُن کی ہر تخلیق کو ادبِ عالیہ تصور کیا جائے۔شفیق احمد شفیق اپنے مضمون ''نئے افسانے کے باب میں تنقید کا کردار'' میں الفاظ کے افسانہ نمبر کے اداریے سے اطہر پرویز کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

> ''افسانے کے قاری سے اسی طرح غور و فکر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جس طرح

شعر کے قاری سے، مگر افسانہ تو وہ جو قاری کو اپنی گرفت میں لے سکے اور اسے ایک ایک کر کے گرہیں کھولنے پر مجبور کر دے۔ بہر حال ہوا یہ کہ ان جھوٹوں فنکاروں کی بھیڑ میں سچے فنکار بھی کھو گئے۔ ایسے میں نئے افسانے کے نقاد کا فرض تھا کہ پرکھے اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دے۔ ہوا یہ کہ ہمارے تنقید نگار دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ کو نئے افسانے کا سارا سرمایہ ہذیان نظر آیا۔ دوسرے گروہ کو بے سروپا افسانے بھی وحی معلوم ہوئے۔''(۴)

افسانے کی تنقید میں گروہ بندی اور انتہا پسند رویے سے شدید نقصان ہوا۔ اطہر پرویز نے بھی اسی بحرانی صورتِ حال کی آئینہ داری کی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سچ کی نمائندگی جب بھی سچائی کے ساتھ ہوگی تو نہ صرف خیالات میں ہم آہنگی ہوگی بلکہ ایک دوسرے کی ہم نوائی کی فضا بھی از خود پیدا ہوگی، پھر اس کو نہ تو خیال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ فکر سے۔ افسانے کے نئے تخلیق کاروں نے اس بات کا احساس کیے بغیر نقادوں سے تعریف کی توقع کیے رکھی۔ ناقدین نے اچھے افسانوں کی تعریف بھی کی جو واقعتاً اچھے بھی تھے، جو احساس کے تاروں کو چھیڑتے بھی تھے اور جو فکری احساس بھی پیدا کرتے تھے۔ اگرچہ غیر معیاری افسانے بھی تخلیق ہوئے مگر ان کے ساتھ اچھے افسانے بھی لکھے گئے لیکن وہ مقدار کے اعتبار سے اتنے نہیں تھے کہ غیر معیاری افسانوں کے انبار سے اپنا سر اوپر اُٹھا سکتے۔ اس صورتِ حال کا ادراک ''اردو کہانی کا زوال: ایک گفتگو (مذاکرہ) میں شاہد احمد شعیب نے کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ساٹھ کے بعد جو نسل سامنے آئی، اُس کے لیے سازشوں نے سب سے پہلے یہ سوچا کہ اُن کے ذہن سے مقصد نکال دیا جائے اور صرف خلائیں ڈال دی جائیں تو اُن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اب اس میں چاہے غیر ملکی لوگ رہ رہے ہوں یا سیاسی لوگ.....اس طرح علامتی افسانے اور تجریدی افسانے لکھے جانے لگے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں کامیاب تجربے نہیں ہوئے۔ کچھ موضوعات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اظہار کے لیے ہمیں علامت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ Intensity پیدا کرنے کے کے لیے علامت کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے لیکن ہماری نئی نسل کے ذہن سے سارے سوالات ختم کر دیے گئے، سارے موضوعات نکال دیے۔ ایسے میں کچھ رسائل اسی قسم کے مل گئے جنھوں تجریدیت کو تخلیقیت کا نام دے دیا۔ اسے سہارا مل گیا۔ افسانے کی اس نئی نسل کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ ان کے افسانوں میں Human Behaviour ایک سرے سے تھا ہی نہیں۔ زندگی کو قریب سے دیکھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔ ان کی

نگاہ سے باریک بینی چھین لی گئی تھی۔اوران کے اندر لکھنے کاUrge ہےتو کچھ نہ کچھ وہ لکھیں گے ہی۔تب وہ علامت اور تجرید کی طرف چلے آئے۔بہت سے افسانہ نگار ایسے بھی ہیں جو علامت کے معنی نہیں سمجھتے ،علامتوں کا Social Context کیا ہے کچھ نہیں جانتے۔سبھوں کے بارے میں تو یہ بات نہیں کہی جاسکتی،لیکن زیادہ تر کا یہی حال ہے ساٹھ کے بعد ایسے افسانے بہت سے لکھے گئے لہٰذا ایسے افسانوں کا جب ہم تجزیہ کریں گے تو ہمیں محسوس ہوگا کہ افسانہ واقعی زوال کی طرف جارہا ہے۔لیکن اب صورتِ حال دوسری ہے۔''(۵)

ڈاکٹرسلیم اختر لکھتے ہیں:

''حقیقت نگاری بہت بُرا رُجحان سہی مگر قدآور افسانہ نگاروں نے نصف صدی تک اس میں بہترین تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کر کے ایک طرح سے اس سے وابستہ تمام فنی امکانات کو ختم کر دیا تھا اور اس حد تک تو واقعی یہ درست ہے کہ اُن کے بعد اُن کے قد کا افسانہ نظر نہ آیا۔جس طرح ایک خاص عمر کے بعد انسان میں تولیدی انحطاط کا آغاز ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح کچھ عرصے کے بعد رُجحانات میلانات میں بھی تخلیقی انحطاط کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔''(۶)

ڈاکٹرسلیم اختر نے تصویر کا ایک رُخ دکھاتے ہوئے بہت واضح الفاظ میں مروجہ افسانہ نگاری کے تولیدی انحطاط کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی وقت اس بات کا متقاضی تھا کہ صنفِ افسانہ اپنے رنگ و روپ کی جانب متوجہ ہو اور تخلیقی و اسلوبیاتی رویے اور حسیت کے خاکے میں نیا رنگ اور نئے ماحول کا بھی خیر مقدم کرے۔مگر تبدیلی کا وہ پہلو نظر نہ آیا جس کی توقع کی جارہی تھی، ہوا یہ کہ نئے لکھنے والے گمراہی کا شکار ہو گئے زندگی کے نئے تجربات اور نئی اُٹھان کو وہ محسوس تو کر رہے تھے مگر اُن کو اپنی ذات میں جذب کرنے اور پھر اُن کو خارجیت کے ٹھوس پیکر میں ڈھالنے میں ناکام دکھائی دے رہے تھے۔یعنی جدید عصری موضوع اور مواد کی فراوانی اور دباؤ اتنا بڑھ گیا تھا کہ اُن کی تخلیقی رفتار اُن کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اور وہ فکر کی ترسیل کے حوالے سے تخلیقی طور پر مغلوب اور مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''میں افسانہ پر تبصرہ یوں کرتے ہیں:

''جدید ترین افسانہ نگاروں پر ایک عمومی اعتراض ابہام سے جنم لینے والے عدم ابلاغ کا ہے جس میں جزوی صداقت بھی ہے کہ بعض تحریریں تو واقعی ایسی ہیں جن میں سوائے اسلوب کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔خارج سے منہ موڑ کر انھوں نے جب باطن کا رُخ کیا تو اس کی بھول بھلیوں میں یوں گم ہو گئے کہ اس ڈور کا سرا ہاتھ سے گنوا بیٹھے جسے روشنی میں آنے کے لیے انھیں راستہ دکھانا تھا۔''(۷)

ڈاکٹر سلیم اختر کی یہ رائے کہانی کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے مگر جدید کہانی کے متعلق ڈاکٹر ارتضیٰ کریم کی رائے نہ صرف صورتِ حال کی عکاس ہے بلکہ ایک جامع تنقید بھی ہے:

> ''نئے افسانہ نگاروں کے سامنے افسانے سے زیادہ اُن کی اپنی شناخت، اُن کا اپنا تشخص ہی داؤ پر نظر آ رہا تھا۔ اس لیے کہ اردو افسانے کی پچھلی روایت اتنی مہتم بالشان تھی، ہر طرح کے تجربات سے اس قدر مالا مال تھی کہ سنجیدہ قاری یا اہلِ فکر و نظر اُن کی جانب متوجہ نہیں ہو سکتے تھے اس لیے بھی کہ نئے کہانی کاروں کے پاس نہ زبان تھی نہ گہرا تیز مشاہدہ، لے دے کے نجی علامتوں کی بیساکھی تھی، استعاروں اور بے ربط تشبیہوں کا استعمال تھا جس سے وہ چونکا سکتے تھے پر جہاں ادب میں مستقل جگہ نہیں بنا پا رہے تھے۔ نتیجتاً وہ ہر افسانے کے ساتھ تجزیہ، مضامین اور تشریح کی اشاعت ضروری سمجھتے تھے۔''(۸)

جب ہر طرف سے ناقدین، مبصرین اور قارئین کی طرف اٹھنے والی تنقیدی آوازوں اور افسانوں کی قرات سے عام بے زاری نے نئے افسانہ نگاروں کو نہ صرف اُنھیں اُن کی ناکامی کا احساس دلایا بلکہ یہ نکتہ بھی سجھایا کہ نئے افسانے کی دکان بے سمتی، شدید داخلیت، تجریدیت، بے معنویت اور لایعنیت کے سامان سے نہیں چمکایا جا سکتا۔ ۷۰ء کی دہائی میں اردو افسانے پر تنقید قحط زدہ نظر آتی ہے۔ اس عہد میں دو کتب شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ 'مختصر افسانہ کا فنی تجزیہ' فردوس فاطمہ نصیر کی یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ فردوس فاطمہ نے اس کتاب میں افسانے کے اجزائے ترکیبی اور افسانے کے فنی مباحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۲۔ 'افسانہ حقیقت سے علامت تک' ڈاکٹر سلیم اختر نے اس کتاب میں ڈاکٹر سلیم اختر نے افسانے کی مبادیات اور افسانے میں نفسیات کے عنصر کے حوالے سے وسیع مطالعہ کیا ہے۔ سلیم اختر کی کوششوں سے اردو کا پہلا جنسی افسانہ نگار بھی سامنے آیا اور اس کتاب میں افسانوی تکنیک کے نفسیاتی مطالعے کے ساتھ طویل مختصر افسانے، علامت نگاری، تجریدیت کے رُجحان، شعور کی رو، فلیش بیک تکنیک کو بھی واضح کیا۔

۸۰ء کی دہائی میں مندرجہ ذیل تنقیدی کتب سامنے آئیں۔

۱۔ 'اردو مختصر افسانہ؛ فنی و تکنیکی مطالعہ' ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان، اس کتاب کا تعلق فنی و تکنیکی مطالعہ سے ہے۔

۲۔ 'افسانے کی حمایت میں' شمس الرحمان فاروقی کی یہ کتاب بیانیہ، پلاٹ، کہانی پن، اور کردار نگاری کے مختلف مباحث پر بحث کرتی ہے۔

۳۔ 'اُردو افسانے کا ارتقا' ڈاکٹر مسعود رضا خاکی اردو افسانے کی روایت کا فکری و فنی مطالعہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

۴۔ 'اردو افسانہ: تحقیق و تنقید' ڈاکٹر انوار احمد اردو افسانے کی روایت کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد نے اس کتاب میں اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ جامع مضامین قلمبند کیے ہیں۔

۵۔ 'اُردو کا علامتی افسانہ' ڈاکٹر مجید مضمر

۶۔ 'اردو فکشن: بنیادی و تشکیلی عناصر' اختر انصاری

۷۔ 'جدید اردو افسانہ' شہزاد منظر افسانے کی اس تنقیدی کتاب کا موضوع جدید افسانے کی مبادیات ہیں۔

۸۔ 'قصہ جدید افسانے کا' سلیم شہزاد اس کتاب کا قصہ بھی افسانے کی جدید مبادیات سے متعلق ہے۔ ثقافتی اور سماجی مطالعہ کے حوالے سے اردو افسانے کی دو اہم کتابیں بھی اس دہائی کا حصہ ہیں۔

۱۔ 'اردو افسانہ: ثقافتی و سماجی پس منظر' عزیز فاطمہ

۲۔ 'اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی' شکیل احمد

ترقی پسند تحریک کا اردو افسانے کے ساتھ تعلق کے حوالے سے بھی دو کتب نے نمایاں حیثیت حاصل کی:

۱۔ 'ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ' ڈاکٹر محمد صادق

۲۔ 'ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور' خورشید زہرا عابدی

۸۰ء کی دہائی میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اردو ادب کو دو اہم تنقیدی کتب دیں۔

۱۔ 'اردو افسانہ روایت اور مسائل' ۱۹۸۱ء یہ کتاب ادب کے ہر طالب علم اور ناقدین سے اپنی اہمیت منوا چکی ہے۔

۲۔ 'نیا اردو افسانہ: انتخاب، تجزیے اور مباحث' ۱۹۸۸ء

نیا افسانہ کی تخلیق کے حوالے سے ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء یہ اعتراض بھی سامنے آیا کہ اس میں نیا افسانہ اپنے تخلیقی منطقے سے دور ہو گیا اور وہ اب کہانی پن کی طرف لوٹ رہا ہے، مطلب نیا افسانہ کہانی پن سے بچھڑ گیا تھا۔ نقادوں کو افسانہ نگاروں سے یہی بڑی شکایت تھی۔ اس سلسلے میں ہوش مند اور متوازن ناقدین کی بامعنی تنقیدی روش کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری پر مجلسِ مذاکرہ، سیمینار کے انعقاد نے بھی بہت سے مفید اور بروقت کام کیے۔ اس سلسلے میں جرائد و رسائل کے مدیروں نے بھی اپنی خدمات پیش کیں یہی وجہ ہے کہ صورتِ حال میں اتنی جلدی صحت مند تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ اس باب میں فنون، کتاب، عصری آگہی، اوراق، جامنو، سوغات، الفاظ، تخلیق، آہنگ، ادبِ لطیف، ادبیات، اسلوب، اظہار، پاکستانی

ادب، جواز، ذہنِ جدید، رجحان، سیپ، شاہراہ، قومی زبان، کتاب نما، ماہ نو، مفاہیم اور رسالہ شاعر وغیرہ نے جدید افسانوں میں پیدا ہونے والی گمراہیوں، بے راہ رویوں، بے جا دعوؤں اور بحران کو ختم کرنے کے لیے انتہائی تاریخ ساز کردار ادا کیا تھا۔ اگر چہ کئی افسانہ نگاروں نے افسانہ میں کہانی پن کے غائب ہونے کا انکار کیا ہے مگر منشا یاد نے اُن سے اختلاف کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف ''خالدہ حسین کی کہانیاں'' مطبوعہ سہ ماہی ''آئندہ'' اپریل۔ جون ۲۰۰۰ء میں کیا ہے:

> ''کیا یہ حقیقت نہیں کہ جدید افسانے کے ابتدائی دور میں ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی میں افسانے پر یہ افتاد پڑی تھی اور وہ کہانی پن کو تج کر کے انشائے کثیف قسم کی کوئی چیز بن گیا تھا۔ گنجلک اور نا قابلِ فہم علامتوں، تمثیلوں، استعاروں اور ذوقِ سلیم پر بار گُزرنے والے امیجیز اور تشبیہ در تشبیہ کے سلسلے نے اسے بوجھل اور نا قابلِ مطالعہ بنا دیا تھا۔ اس کی بنت اور اسٹرکچر میں اتنی توڑ پھوڑ، بدنظمی اور بے ربطی در آئی تھی کہ اسے افسانہ کہنے میں تامل ہوتا تھا اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جدیدیت کے دلدادہ نقادوں نے ایسی ہی تحریروں کو نئے عہد کی نمائندہ کہانی قرار دے دیا۔ ایسی تحریروں نے اور علامتی انداز کے جینوین لکھنے والوں کو بھی بد نام کیا اور انھیں ملامتی کہا جانے لگا۔'' (۹)

نئے افسانہ نگاروں کو یہ بھی گلہ ہے کہ افسانے پر تنقید بہت کم لکھی گئی ہے اس اعتراض کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شائد اُنھیں اپنی بے جا تعریف کرنے والے افسانہ نگار کم میسر آئے ہیں۔ نئے افسانہ نگاروں کو جواب تک نقاد ملے ہیں وہ وجودیت اور داخلیت کو ہی اوّل و آخر زندگی کا منشا نہیں سمجھتے تھے بلکہ خارجی اور داخلی رویوں، جذبوں اور تجربوں کے حسین امتزاج کے ساتھ تخلیقی ہونے والی کہانی کو کہانی تصور کرتے تھے، چاہے وہ اینٹی سٹوری، علامتی، استعاراتی، ضمیاتی یا دیو مالائی قسم کی کیوں نہ ہو، ان افسانہ نگاروں نے نئے افسانہ نگاروں کی بے جا وکالت نہیں کی بلکہ جو چیزیں حقائق پر مبنی تھیں انھیں کا اظہار کیا۔

حقیقت پسند ناقدین نے یہ واضح کر دیا کہ افسانہ کے نام پر افسانہ نہیں کچھ اور لکھا جا رہا ہے۔ انھیں لوگوں میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ بھی ہیں جن کو نئے افسانے کے متعلق اپنی رائے بدلنا پڑی جو پہلے اس کی حمایت میں تھے:

> ''حیات کے بدلتے ہوئے معنی کی بہتر ادائیگی کے لیے نئی اور بہتر تکنیک ایک ناگزیر ادبی ضرورت ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان نئی ادبی تکنیکوں پر شعبدہ بازی کا گمان نہ ہو۔ بلکہ اُن کی بدولت ہمارے نئے مسائل کا ایک فطری اور نیا اظہار ہو۔ بیشتر تجریدی کہانیاں اگر ادب کے بجائے مجذوب کی بڑ معلوم ہوتی ہیں تو

اس کا سبب یہ ہے کہ فن کار کو اپنی تخلیقی قوتوں پر بھروسہ نہیں۔''(۱۰)

۹۰ء کی دہائی میں بھی اردو افسانے کی تکنیک روایت اور فن کے حوالے سے کئی اہم کتب سامنے آئیں، لیکن اس عہد کا غالب رجحان افسانے کے جدید مباحث جن میں علامت نگاری، ابلاغ کے مسائل اور دیگر رجحانات شامل ہیں۔

۱۔ 'عصری افسانے کا فن' مہدی جعفر

۲۔ ''جدید افسانہ اور اس کے مسائل'' وارث علوی، علوی صاحب نے اس کتاب میں جدید افسانے کے حوالے سے کئی شکایات پیش کی ہیں۔

۳۔ ''افسانہ اور علامتی افسانہ'' علی حیدر ملک، علامتی افسانے کے دفاع میں علی حیدر ملک نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

۴۔ ''جدید افسانہ: اردو اور ہندی'' طارق چھتاری، جدید افسانے کے اہم رجحانات اور مبادیات اس کتاب کے اہم موضوع ہیں۔ 'اُردو افسانے کی روایت کے سلسلے میں دو اہم کتب نے ادب میں کامیاب اضافہ کیا۔

۱۔ ''افسانے کا منظر نامہ'' ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

۲۔ ''اردو افسانہ نگاری کے رجحانات'' ڈاکٹر فردوس انور قاضی۔ مندرجہ بالا کتب میں افسانے کی روایت کو مختلف افسانہ نگاروں کے خصوصی مطالعہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

'اُردو افسانوں میں گاؤں کی عکاسی' ۱۹۹۴ء خورشید عالم، یہ کتاب افسانے میں دیہات نگاری کے رجحان کا مطالعہ پیش کرتی ہے۔ 'نئے افسانے کی سماجی بنیادیں' ۱۹۹۱ء آزاد کوثری، ایک اور کتاب بعنوان 'نیا افسانہ: مسائل اور میلانات' قمر رئیس کی یہ مرتبہ کتاب ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی افسانے کی تنقید کے حوالے سے اہم کتب مطالعہ کی گئیں۔

۱۔ ''جدید افسانہ؛ چند صورتیں'' صبا اکرام یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں جدید افسانے کے مباحث کو موضوع بنایا ہے۔

۲۔ ''اردو افسانہ: صورت و معنی'' محمد حمید شاہد، اردو افسانے کے مباحث، افسانہ کے اجزائے ترکیبی، سمعی روایت، کہانی پن کے مسئلے اور اسلوب کی بازی گری اس کتاب کے اہم مباحث ہیں۔

۳۔ ''اردو افسانے میں علامت نگاری''

۴۔ ''اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ'' ڈاکٹر اعجاز راہی، علامت کی تحریک، علامت کی مبادیات کے پیشِ نظر مختلف علامتی افسانہ نگاروں کی علامتوں کو ڈاکٹر اعجاز راہی نے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۵۔ ''نئے افسانے کی کہانی'' ڈاکٹر انیس ناگی ،مغرب کی تنقید کی روشنی میں اردو افسانے کے مختلف مباحث کو موضوع بناتے ہوئے انیس ناگی نے افسانوی تنقید میں منفرد مقام حاصل کیا ہے۔

۶۔ ''اردو فکشن ؛تنقید اور تجزیہ'' ڈاکٹر صغیر افراہیم ،اردو فکشن کی تنقید کی روایت پیش کرتے ہوئے مختلف افسانہ نگاروں کے نمائندہ افسانوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔

۷۔ ''جدید اردو افسانے کے رجحانات'' ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش۔جدید تحریکوں اور رجحانات کے اثرات کا ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش نے اردو افسانے کے وسیع قالب میں مطالعہ پیش کیا ہے۔

۸۔ ''فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ'' ڈاکٹر جمیل اختر مجبی، یہ کتاب وجودیت، ترقی پسندی اور جدیدیت کے تناظر میں نئے مباحث پیش کرتی ہے۔

۹۔ ''جدیدیت اور اردو افسانہ'' اور ''ترقی پسندی اور اردو افسانہ'' اسلم جمشید پوری، اردو افسانے میں وجودیت، ترقی پسندی اور جدیدیت اسلم جمشید پوری کا خاص میدان رہے ہیں۔

۱۰۔ ''فکشن کی تنقید؛ چند مباحث'' عابد سہیل ،فکشن کے مختلف مباحث اور خصوصاً شمس الرحمان فاروقی کے مباحث پر عابد سہیل نے اپنی تنقید کی بنیاد رکھی۔

۱۱۔ ''جدید افسانہ؛ تجربے اور امکانات'' ڈاکٹر آصف اقبال جدید افسانے کو خاص تنقید کی روشنی میں دیکھنے کا کام ڈاکٹر آصف اقبال نے انجام دیا۔

۱۲۔ ''اردو افسانہ اور اساطیر'' ڈاکٹر قاضی عابد اساطیر کے مباحث ، بہ طور تکنیک اور اسلوب کی مبادیات کے استعمال پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو افسانے پر اس کے تاثرات کی وضاحت کی ہے۔

۱۳۔ ''اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات'' ڈاکٹر فوزیہ اسلم ، چھ ابواب پر منقسم اس کتاب کو بڑی محنت سے مکمل کیا گیا ہے۔افسانے میں تکنیک اور اسلوب کی اہمیت ، اردو افسانے کا دورِ اوّلین ، اردو افسانے پر ترقی پسند تحریک کے اثرات اور حقیقت نگاری کی مقبولیت ،ترقی پسند عہد۔اردو افسانے پر مغرب کے نفسیاتی و تکنیکی اثرات ،آزادی کے بعد اردو افسانہ، جدید افسانے میں اُسلوب اور تکنیک کے تجربات ، کتاب میں ان اہم مباحث کے ساتھ مختلف افسانہ نگاروں کے افسانوں کا اُسلوبیاتی اور تکنیکی تجربات کی روشنی میں مطالعہ کیا گیا ہے۔

اُردو افسانے کی صنف کو تقویت دینے میں مندرجہ بالا تنقیدی کتب اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ آنے والے وقت میں مزید اچھی کتب کی امید کی جا سکتی ہے۔جن ناقدین کو افسانوی تنقید میں ذخیرہ معلومات کی کمی کی شکایت ہے اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نسیم عباس احمر لکھتے ہیں:

''افسانہ کے بہ طور صنف مباحث، اس کی ابتدا کے ساتھ ہی شروع ہو گئے تھے جو جدید تنقید کے پیرائے میں آج بھی اپنی وضاحت کا پرچار کر رہے ہیں اور جو بھی ناقد اردو افسانے پر قلم اُٹھاتا ہے وہ دوسری اصناف سے اس کے موازنے اور اس کی تعریف متعین کرنے میں اپنا حصّہ ضرور ڈال رہا ہے اور اردو افسانے کی تنقید کو ثروت مند بنا رہا ہے۔''(۱۱)

مختصر یہ کہ آج اگر افسانے کی تخلیقی روش میں تبدیلی نے افسانے کو غیر ضروری آلائشوں سے پاک کیا ہے تو بجا طور پر اس میں افسانوی تنقید کا ہاتھ ہے جس نے نئے لکھنے والوں کو درست سمت دی اور واضح ہدایات بھی۔ آج کا افسانہ بلاشبہ تمام آلائشوں سے پاک صاف ہو کر اور نکھر سنور کر اپنی تخلیقی جلوہ سامانی اور معانی آفرینی کا بھرپور اظہار کر رہا ہے۔ تازگی، توانائی اور تنوع کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس سارے عمل میں افسانوی تنقید کا کردار اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اردو افسانے کے سفر میں دریافتوں کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اردو افسانے کا تدریجی ارتقا، اسلوب و تکنیک کے تجربات، علامتی و تجریدی انداز کے حوالے سے انفرادی و مجموعی تحقیقی و تنقیدی جائزوں کی پیش کش ایک مسلسل عمل ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، افسانے کا منظر نامہ، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ص:۶۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، فکشن کی تنقید، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص:۴۴۲

۴۔ شاعر علی شاعر، (مرتب) نیا اردو افسانہ (ایک مطالعاتی جائزہ)، شفیق احمد شفیق، مضمون نئے افسانے کے باب میں تنقید کا کردار، کراچی: بُک پوائنٹ، ۲۰۱۱ء، ص:۴۶۷

۵۔ شاہد احمد شعیب، اُردو کہانی کا زوال، ایک گفتگو (مذاکرہ)، مشمولہ: شاعر، ماہنامہ، افسانہ نمبر، ممبئی، ۱۹۸۱ء

۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۱۷ء بارِ اوّل، ص:۵۱۴

۷۔ ایضاً، ص:۵۱۵

۸۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، فکشن کی تنقید، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص:۴۴۵

۹۔ شاعر علی شاعر (مرتب) نیا اُردو افسانہ (ایک مطالعاتی جائزہ)، کراچی: بُک پوائنٹ، ۲۰۱۱ء، ص:۴۷۲

۱۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۶۳

۱۱۔ نسیم عباس احمر، اُردو افسانے کی نظری تنقیدی روایت، پیلھوں، (مدیر) ڈاکٹر انوار احمد، شمارہ۲، فیصل آباد: مثال پبلشرز، اپریل تا جون ۲۰۱۳ء، ص:۲۸